فکر و نظر---- اسلام آباد　　جلد:۳۸　　شمارہ:۳

علامہ شبلی کا مورخانہ شعور

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ☆

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) ایک عبقری اور جامع کمالات شخص تھے، گو قدرت نے ان کو متنوع اوصاف و خصائص سے آراستہ کیا تھا تاہم اصلاً وہ مورخ اسلام تھے اور ان کا اصل میدان فن تاریخ تھا(۱) جو ابتداء ہی سے ان کی تصنیفات کا خاص موضوع رہا(۲) اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی فن کی خدمت میں بسر ہوا، مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم، المامون، الفاروق اور سیرۃ النبی جیسی معرکتہ الآراء تاریخی کتابیں اور کتب خانہ اسکندریہ، الجزیہ، تراجم، حقوق الذمیین اور اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر جیسے بلند پایہ اور محققانہ مقالات ان کے مکمل تاریخ نگار ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔

علامہ شبلی نے دوسرے ہم عصر مورخوں کے برعکس تاریخ نویسی کا ایک نظریہ پیش کیا(۳) اور اردو میں پہلی بار تاریخ نگاری کے اصول و ضوابط منضبط کر کے خود اپنی تحریروں میں ان کی پابندی کا اہتمام کیا، اسی بناء پر مہدی افادی نے انہیں تاریخ کا معلم اوّل قرار دیا تھا۔(۴)

ذیل میں علامہ شبلی کے مورخانہ شعور اور فہم و بصیرت کو واضح کرنے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔

فن تاریخ سے شغف کی ابتداء

گو علامہ شبلی کو فن تاریخ سے ابتداء ہی سے خاص شغف رہا ہے لیکن اس سے ان کی اصل دلچسپی علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں ہوئی، جہاں سرسیّد احمد خاں کے کتب خانے سے ان کو استفادے کا موقع ملا جو نادر و نایاب کتابوں اور یورپ کی جدید تصنیفات کا مخزن تھا، خود لکھتے ہیں:۔

☆ ادب کدہ، انور گنج، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

> سید صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت عام اجازت مجھ کو دی ہے، اور اس وجہ سے مجھ کو کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے، سید صاحب کے پاس تاریخ و جغرافیہ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں جن کو درحقیقت میں کیا بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے مگر یہ سب کتابیں جرمنی میں طبع ہوئی ہیں، مصر کے لوگوں کو بھی نصیب نہیں ہوئیں۔(۵)

علامہ شبلی نے کتب بینی اور مطالعہ کے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا، گبن (GIBBON) کی مشہور کتاب DECLINE AND THE FALL OF THE ROMAN EMPIRE کا سرسید نے اردو میں ترجمہ کرایا تھا، اس کا مطالعہ وہ برابر کرتے رہے، ان کے کتب خانہ کی تاریخی کتابوں خصوصاً یورپ کی جدید تاریخوں کے مطالعہ نے علامہ شبلی کے اندر تصنیف و تالیف کا داعیہ اور مطالعہ و تحقیق کا نیا انداز پیدا کر دیا، فرماتے ہیں:۔

> تصانیف کا شوق ابتداءً مجھ کو ان تاریخی تصنیفات کے دیکھنے سے ہوا تھا جو یورپ میں چھپی ہیں اور ایک موقع پر مجھ کو یکجا مل تھیں جن کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔(۶)

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

> جب وہ علی گڑھ پہونچے اور سرسید کے کتب خانہ مین عربی تاریخ و جغرافیہ کی وہ نادر کتابیں نظر آئیں جو یورپ یا مصر و شام اور قسطنطنیہ میں چھپی تھیں تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور یہیں سے تاریخ اسلام کے مطالعہ کا نیا دور شروع ہوا۔(۷)

علی گڑھ میں سرسیّد کے بعد دوسری شخصیت پروفیسر آرنلڈ (ORNALD) کی تھی، جو علامہ شبلی کے رفیق ہی نہیں خود ان کی نظر میں استاذ بھی تھے۔

آرنلڈ آنکہ رفیق است و ہم استاذ مرا ؎

پروفیسر آرنلڈ کی بدولت وہ نہ صرف یورپ کے جدید افکارو خیالات سے واقف ہوئے بلکہ اسلام پر یورپ کے اعتراضات اور ان کی نوعیت سے بھی باخبر ہوئے، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی لکھتے ہیں:۔

> بڑی خوش قسمتی علامہ شبلی کی یہ تھی کہ اس عہد میں پروفیسر آرنلڈ سا علم دوست استاذ کالج میں تھا، یہ دونوں دلدادگان علم باہم ملے اور اس طرح ملے جس طرح مختلف اللون نور کی شعائیں باہم مل کر عالم کی روشنی کا باعث بنتی ہیں، پروفیسر آرنلڈ نے علامہ شبلی کو جدید اصول سے آگاہ کیا یہ بتایا کہ جدید علمی مجلس کے کیا ساز و سامان ہیں، قدیم علوم پر کیا کیا اعتراض اور حملے ہیں۔(۸)

فن تاریخ سے علامہ شبلی کے شغف و انہماک کا ایک بڑا محرک علی گڑھ کالج کا ماحول بھی تھا، جہاں قدیم و جدید بلکہ مشرق و مغرب کے فضلا یکجا ہو کر ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید و متاثر ہو رہے تھے غرض سرسید احمد خاں کی رفاقت اور پروفیسر آرنلڈ کی معیت نیز سرسید کے کتب خانہ اور کالج کے ماحول نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی جس کے نتیجے میں ان کے تدبر و تفکر، تصنیف و تالیف اور سخن گوئی کے میزان و محور بدل گئے اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی یہیں سے تاریخ اسلام کے مطالعے کا نیا دور شروع ہوا۔(۹)

علامہ شبلی اور تاریخ اسلام

علامہ شبلی کی تعلیم و تربیت مشرقی اقدار و روایات کے مطابق ہوئی تھی، اور یہ تعلیم انہوں نے علوم قدیمہ کے یگانہ روزگار اساتذہ سے حاصل کی تھی، کتب بینی کا شوق ابتداء ہی سے اپنی انتہا کو پہونچا ہوا تھا، ۱۹ سال کی عمر میں جب سفر حج کیا تو مدینہ منورہ کے کتب خانوں کو چھان ڈالا۔(۱۰) علی گڑھ جانے سے پہلے وہ تاریخ اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کر چکے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ پہونچے تو اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی مگر ان کے علم و قلم دونوں میں ایسی پختگی آچکی تھی جو عموماً سن رشد کے بعد حاصل ہوتی ہے، علی گڑھ کے ماحول نے ان کے ذوق و رجحان میں مزید جلا پیدا کی، ان کے بعض معاصرین نے بھی مشرقی تاریخ میں ان کی

وسعت نظر اور کمال کی داد دی۔ مولانا الطاف حسین حالی فرماتے ہیں:۔

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحید عصر و یکتائے زمن دیکھیں

سرسید احمد خاں جو خود اپنے وقت کے عظیم مورخ تھے، علامہ شبلی کی مورخانہ ژرف نگاہی کے بڑے معترف تھے، اس کا اظہار انہوں نے المامون کے دیباچہ میں تفصیل سے کیا ہے اور ان کے رسالہ الجزیہ کے بارے میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

اگر وہ (علامہ شبلی) نعوذ باللہ اپنے رسالہ الجزیہ کی نسبت مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ کہیں فأتوا بسورة من مثله تو تعجب نہ ہوگا۔(۱۱)

علامہ شبلی کے تاریخی مضامین ہی کو دیکھ کر سرسید کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یورپ کے مورخین نے جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں ان کی تصحیح و جواب کے لیے ایک مجلس قائم کی جائے چنانچہ جب ۱۸۹۲ء میں یہ مجلس قائم ہوئی تو انہوں نے علامہ شبلی کو اس کا سیکرٹری بنایا اور ان کے تاریخی مضامین کو اس سلسلہ میں داخل کیا۔(۱۲)

تاریخ کی ابتداء کے بارے میں علامہ شبلی کا نقطہ نظر

فن تاریخ کے متعلق علامہ شبلی کی یہ رائے ہے کہ'' جس طرح تمام علوم و فنون کا ہیولی پہلے سے موجود ہوتا ہے اور وہ تمدن کے زمانہ میں موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور اسے فن کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے فن تاریخ نے بھی اسی طرح ترقی کی ہے۔(۱۳) تاریخ نگاری کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ تاریخ کا تعلق اجتماع انسانی سے ہے، انسان اس روئے زمین پر جہاں کہیں آباد ہوا، اپنی تاریخ خود بخود بناتا چلا گیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا، تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے، کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے، تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا، باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں

اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔[۱۴]

عربوں کی انفرادیت

علامہ شبلی نے فن تاریخ میں عربوں کی انفرادیت کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ فن تاریخ میں عربوں کو دنیا کی دوسری اقوام کے مقابلہ میں بعض اسباب کی بناء پر فوقیت اور برتری حاصل ہے، مثلاً تاریخ کے ابتدائی ہیولی نے دنیا کی دوسری قوموں میں تمدن کے زمانہ میں موزوں قالب ضرور اختیار کیا مگر عرب اپنے تمدنی اور تہذیبی دور ارتقاء و عروج سے پہلے ہی تاریخ و انساب کو بے حد عزیز رکھتے تھے، علم انساب، ایام العرب اور اشعار عرب کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ عربوں کو اسلام سے پہلے جس قدر تعلق تھا اس کی مثال دنیا کی اور کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی، علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

> انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناتے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہونچ جاتی تھیں یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات نصیب نہیں۔[۱۵]

عربوں کی ان خصوصیات کا تعلق دراصل تاریخ کے فن سے ہے، دوسری قوموں کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جب وہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے آراستہ ہوئیں تو عربوں جیسا تعلق و شغف نہ ہونے کی وجہ سے تاریخ کے ساتھ وہ اعتنا نہ کر سکیں جو عربوں کے حصہ میں آیا اور یہی وجہ ہے کہ غیر عرب اقوام کی ابتدائی تاریخی تصانیف اب ہمارے سامنے داستان اور قصوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے برعکس جب عربوں میں

تمدن کا آغاز ہوا جو دراصل اسلام کے فیوض و برکات کی خوش گوار بہار ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن کا کاررواں نئی منزلوں کی تلاش میں رواں دواں ہوا تو سب سے پہلے مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کی سیرت و سوانح اور فضائل و اخلاق پر خاص توجہ مرکوز کی جبکہ دوسری اقوام کے مذہبی رہنماؤں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

سیرت رسولؐ کو قلمبند کرنے میں ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ علامہ شبلی کے الفاظ میں کسی صحیفہ آسمانی کے لیے بھی نہ ہو سکا، اور وسعت و تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال، وضع قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی۔(۱۶)

سیرت نبویؐ سے اس غیر معمولی اور بے مثال والہانہ تعلق کے علاوہ مسلمانوں نے عام فن تاریخ کے ساتھ بھی کم اعتنا نہیں کیا بلکہ آغاز تمدن کے بعد جب باقاعدہ تصنیف و تالیف کی ابتداء ہوئی تو جو کتاب سب سے پہلے لکھی گئی وہ فن تاریخ میں تھی،(۱۷) پھر اس فن نے بقول علامہ شبلی اس قدر ترقی کی کہ " ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سا متن تھا"۔(۱۸)

مسلمانوں میں ایسے ایسے نامور مورخ پیدا ہوئے جنہوں نے نہایت عظیم الشان تاریخی کتابیں مرتب کیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ چوتھی صدی تک تاریخ کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہوگیا۔(۱۹) اس دور کے ایک مورخ علامہ مسعودی کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

> فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا، اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی، افسوس کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔(۲۰)

متاخرین کے دور میں بھی فن تاریخ نے بڑی ترقی کی اس دور میں بھی بے شمار مورخ پیدا ہوئے جنہوں نے اس فن کی خدمت میں اپنی زندگیاں گزار دیں، ابن الاثیر،

سمعانی، ذہبی، ابوالفدا، نویری، سیوطی اور ابن خلدون اسی دور کے نامور مورخ گزرے ہیں۔

غرض یہ کہ تاریخ اسلام کے ہر دور میں تاریخ اور تہذیب و تمدن سے گہرا تعلق استوار رکھا گیا اور اس فن پر اس قدر توجہ کی گئی کہ یہ بام عروج تک پہونچ گیا۔

مورخین اسلام: قدماء و متاخرین

تاریخ اسلام میں چوتھی صدی ہجری تک کا عہد قدیم مورخین کا دور کہا جاتا ہے، علامہ شبلی اس دور کے مورخین کے بڑے مداح ہیں اور درحقیقت یہ تاریخ اسلام کا زریں اور تابناک عہد ہے اس میں عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، احمد بن داؤد، ابو حنیفہ دینوری، محمد بن سعد کاتب الواقدی، احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی، احمد بن یحیی بلاذری، ابو جعفر بن جریر طبری، ابوالحسن علی بن حسین مسعودی وغیرہ جیسے نامور مورخ پیدا ہوئے، فن تاریخ کی عظیم الشان اور نہایت بلند پایہ کتابیں اسی دور کی یادگار ہیں، ذیل میں ہم اختصار سے اس دور کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

قدیم مورخین کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کی ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل اور جدا جدا عنوان پر ہوتی تھی، تمدن و معاشرت کی جزئیات پر بھی ان کی نظر رہتی تھی جس سے تمدن و معاشرت کا بھی کچھ نہ کچھ پتہ چلتا تھا،[۲۱] وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح مسلسل سند کے ساتھ قلمبند کرتے تھے جس سے بقول علامہ شبلی " فائدہ یہ ہے کہ کبھی روایت میں شک ہو تو اس کی کافی تحقیق ہوسکتی ہے"۔[۲۲]

پانچویں صدی ہجری کی ابتداء سے متاخرین کے دور کا آغاز ہوتا ہے اس میں اسلامی مورخوں نے فن تاریخ کے ساتھ متقدمین کی طرح ہی اعتناء کیا مگر ان کی تقلید و اتباع اس حد تک کی گئی کہ جدت و اجتہاد کی کمی محسوس کی گئی، اس دور میں ابن الاثیر، سمعانی، ذہبی، ابو الفداء، نویری اور سیوطی وغیرہ جیسے اہم نام ہیں مگر علامہ شبلی کا خیال ہے کہ یہ دور " فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے---" ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا، خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی بلکہ قدما کی جو خصوصیات تھیں وہ بھی کھو دیں،[۲۳] اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:۔

ان مورخین نے قدماء کی تصانیف سامنے رکھ کر معمولی رد و بدل اور اختصار بھی اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔(۲۴) واقعات سند بہ سند لکھنے کو بھی ترک کر دیا قدماء کی کتابوں سے تمدن و معاشرت کا بھی کسی قدر اندازہ ہو جاتا تھا مگر اس دور کے مورخین نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی۔(۲۵) اس سے فن تاریخ بہرحال متاثر ہوا اور اسے جس قدر ترقی کرنا چاہیے تھا وہ نہ کر سکا، ترقی کے مدارج طے نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ہمارے علماء نے اسلامی علوم کو دو قسموں معقول و منقول میں تقسیم کر دیا، جن لوگوں نے معقول کو اپنا مرکز توجہ بنایا انہوں نے منقول کو اپنے دائرے سے خارج تصور کیا، اسی طرح جن لوگوں نے منقول کی طرف توجہ دی انہوں نے معقول کو لائق اعتناء نہ سمجھا چنانچہ بعض جامع العلوم شخصیات کی توجہ سے یہ فن محروم رہا اور بقول علامہ شبلی '' یہ فن فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں سے محروم رہ گیا، یہی وجہ ہے کہ بو علی سینا، فارابی، طوسی،امام رازی، قطب الدین شیرازی، جلال الدین دوانی کی کوئی تصنیف اس فن میں موجود نہیں ہے۔(۲۶)

اس فن کے ترقی نہ کرنے کا ایک سبب علامہ شبلی نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس عہد میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ تاریخ کو عقل و درایت سے تعلق نہیں اس لیے مورخین نے خود مورخانہ فہم و بصیرت سے کام نہیں لیا ان کو صرف اس سے غرض تھی کہ راوی ثقہ ہے یا نہیں۔(۲۷)

علامہ ابن خلدون اور فلسفہ تاریخ

دور جدید (متاخرین) کے مورخین کے بارے میں علامہ شبلی کا خیال اوپر گزر چکا ہے اسی عہد میں عبدالرحمٰن بن خلدون (۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کیے، اور دنیا کو پہلی بار سائنٹفک اصولوں سے روشناس کرایا۔ گو علامہ ابن خلدون اپنے فلسفہ تاریخ کو خود بھی عملی جامہ نہ پہنا سکے۔(۲۸) تاہم اس کا غلغلہ تمام ممالک میں بلند ہوا، لیکن مسلمانوں میں انحطاط و زوال کا ایسا سلسلہ رہا کہ کوئی اور شخص بھی ان کے فلسفہ کی طرف بھرپور توجہ نہ کر سکا(۲۹) اوروہ کئی سو سال تک پردہ گمنامی میں رہا، یورپ کے جدید مورخین نے ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کو یورپ میں روشناس

کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔(۳۰) علامہ شبلی ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ سے بخوبی واقف تھے اور اپنی تحریروں میں متعدد مقامات پر نہ صرف اس کا ذکر کیا ہے بلکہ ان کے بعض اصولوں سے استفادہ بھی کیا ہے، انہوں نے ابن خلدون کے ساتھ ان کے شاگرد مقریزی کی بھی تعریف کی ہے۔(۳۱)

مولانا وحید الدین سلیم کا خیال ہے کہ فلسفہ تاریخ کی بنیاد یورپ میں پڑی، سنٹ آگسٹائن نے سب سے پہلے اس پر اظہار خیال کیا اس کے بعد مان ٹسکیو، شلی جل، ہجل، اور بکل وغیرہ نے اسے مزید ترقی دی اور مسلمانوں میں صرف ابن خلدون ہی ایسا مورخ ہے جس نے اس کی طرف توجہ دی۔(۳۲) لیکن معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ اس علم کی ابتداء دراصل صاعد الاندلسی کی کتاب طبقات الامم سے ہوئی اور اس کی تکمیل ابن خلدون کے مقدمہ سے ہوئی۔(۳۳) اس سلسلہ میں علامہ شبلی نے بغیر کسی معذرت کے صاف اور واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ جس فلسفہ تاریخ کی بنیاد ابن خلدون نے ڈالی اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔(۳۴)

علامہ شبلی تاریخ نگاری میں ابن خلدون کے فلسفہ کے اثرات گو واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں تاہم وہ ان کے بعض نظریات تاریخ پر توجہ نہیں دے سکے، مثلاً ابن خلدون نے طبقہ انسانی کی دو قسمیں مہذب شہری اور غیر مہذب بدوی کے نام سے کی ہیں، اس کا ذکر علامہ شبلی کی تحریروں میں نہیں ملتا، اقوام کی عمر کے بارے میں ابن خلدون کا نظریہ بھی ان کے یہاں نظرانداز ہوگیا ہے۔

ابن مسکویہ اور تجارب الامم

مشہور مورخ و فلسفی ابن مسکویہ کے تاریخی افکار و نظریات سے بھی علامہ شبلی بخوبی واقف تھے، ایک مختصر مضمون میں انہوں نے ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم کا تفصیل سے تعارف کراتے ہوئے اس کے نظریہ تاریخ پر روشنی ڈالی ہے، ابن مسکویہ کی کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن تاریخ کو یورپ نے جس مقام پر انیسویں صدی میں پہونچایا، مسلمانوں نے اسے پانچویں صدی ہجری سے قبل ہی پہونچا دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ فن تاریخ سے بے اعتنائی کا رجحان بھی اسی کے دور سے شروع ہوگیا تھا جس کا ذکر ابن مسکویہ نے بھی کیا ہے۔(۳۵)

علامہ شبلی نے ابن مسکویہ کے اصول تاریخ کی تعریف و توصیف کے ساتھ اس کے بعض اصول و نظریات پر تنقید بھی کی ہے جس سے فن تاریخ میں ان کی دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔

اسلامی نظریہ تاریخ سے علامہ شبلی کی واقفیت کے اس سرسری جائزے کے بعد اب ہم علامہ کی غیر اسلامی نظریہ تاریخ سے واقفیت اور دلچسپی کا ایک مختصر جائزہ بھی پیش کرتے ہیں۔

علامہ شبلی اور مورخین یورپ

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ علامہ شبلی علمائے یورپ کی تحقیقات سے علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں واقف ہوئے، سرسید احمد خان اور پروفیسر آرنلڈ کی علمی صحبتیں اور علی گڑھ کالج کا ماحول اس واقفیت میں نہایت مددگار ثابت ہوئے گو وہ یورپ کی کسی زبان سے واقف نہ تھے۔(۳۶) اس لیے براہ راست یورپین تصنیفات سے استفادہ نہیں کر سکے تاہم ان کے عربی و اردو ترجموں کے ذریعہ انہوں نے یورپ کے تاریخی رجحان و میلانات سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں روم، مصر و شام کا سفر اور شمس العلماء سید علی بلگرامی سے علمی روابط بھی بڑے کارآمد ثابت ہوئے، ترکی سیاسی اور جغرافیائی اسباب کی بناء پر یورپ کا خاص مرکز توجہ تھا، سفر ترکی میں علامہ شبلی کو یورپ کی تاریخی سرگرمیوں اور اسلام کے ساتھ یورپ کے معاندانہ طرز عمل کا براہ راست علم اور تجربہ ہوا اور ترکوں کے ردعمل سے بھی واقفیت ہوئی اور یہیں انہوں نے یورپ کی علمی بے اعتدالیوں پر نقد و جرح بھی سنی۔(۳۷)

سید علی بلگرامی چند مغربی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے، انہوں نے علامہ شبلی کو جدید تاریخی رجحانات، نئے انداز تحقیق اور یورپ کی پیدا کی ہوئی غلط فہمیوں سے آگاہ کیا۔(۳۸) اس کے بعد وہ مدۃ العمر یورپ کے افکار و خیالات سے آگاہی حاصل کرنے میں مصروف رہے اور سیرۃ النبی کی تالیف تک ان کا یہ مطالعہ نہایت وسیع و عمیق اور جامع ہو چکا تھا۔

درحقیقت یورپ کی تصانیف نے علامہ شبلی کے اندر تصنیف و تالیف کا مخفی جذبہ بیدار کیا۔(۳۹) چنانچہ انہوں نے اس کی ابتداء اپنے ایک گراں مایہ مقالہ "مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم" سے کی جو ان کے جدید انداز تحقیق و تصنیف کا پہلا نمونہ ہے اس کے بعد مغربی

علوم و افکار سے ان کی واقفیت برابر بڑھتی گئی اور اپنی آخری تصنیف سیرۃ النبی کے دیباچہ میں اس موضوع پر لکھی جانے والی تصانیف یورپ کی ایک فہرست نقل کی ہے۔(۴۰) اس سے علامہ شبلی کے علم و مطالعہ کی وسعت و جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یورپ کے جدید تاریخی خیالات، تحقیقات اور علمی اکتشافات سے بھی وہ اس حد تک واقف تھے کہ انہوں نے یورپ کی تعریف و تحسین کے ساتھ ان پر تنقید و تبصرہ بھی کیا، یہ ان کی غیر جانبداری وسیع النظری اور ایک مکمل نظریہ تاریخ رکھنے کا ثبوت بھی ہے، انہوں نے مورخین یورپ کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ مورخین یورپ کا پہلا گروہ علامہ کی نظر میں ان لوگوں پر مشتمل ہے" جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں ان کا سرمایہ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں، ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں"۔ ظاہر ہے اس گروہ کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی حالانکہ اسی گروہ میں گبن GIBBON جیسے صائب الرائے اور انصاف پرست بھی شامل ہیں جو" راکھ کے ڈھیر سے بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہیں"۔(۴۱)

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو عربی زبان اور علم و ادب اور تاریخ و فلسفہ اسلام کے بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت سے آشنا نہیں گو ان لوگوں کی کوئی مستقل تصنیف نہیں لیکن ضمنی موقعوں پر اپنی عربی دانی کے زعم میں اسلام اور شارع اسلام پر دلیری کے ساتھ جو چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں مثلاً سخاؤ (SOKHAU) اور نولدیکی (NOWLEDEKE) وغیرہ۔(۴۲)

۳۔ تیسرا گروہ مسٹر پامر (POMMER) اور مارگولیوتھ (MARGOLIUTH) جیسے مستشرقین کا ہے جو

ے دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں (۴۳)

یہ لوگ عربی زبان و ادب کے بڑے ماہر اور مذہبی لٹریچر سے بھی آشنا ہیں مگر ان کے منہ سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو عام پادری کہتے ہیں۔

علامہ شبلی یورپین لٹریچر سے اپنی واقفیت حاصل کرنے کے متعلق پروفیسر عبدالقادر کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> سیرت نبویؐ جو زیر تصنیف ہے میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے مصنفین نے جو کچھ آنحضرتﷺ کے متعلق لکھا ہے اس سے پوری واقفیت حاصل کی جائے تاکہ ان کے تائیدی بیان حسب موقع حجت الزامی کے طور پر پیش کیے جائیں اور جہاں انہوں نے غلطیاں اور بددیانتیاں کی ہیں، نہایت زور و شور کے ساتھ ان کی پردہ دری کی جائے۔(۴۴)

علامہ شبلی نے اس کام کے لیے مورخین یورپ کی تصانیف جمع کیں، دفتر سیرت نبویؐ میں مولانا عبدالماجد دریابادی کو اپنا لٹریری معاون بنایا تاکہ وہ مورخین یورپ کی تصانیف کا ترجمہ کریں، ان کے علاوہ اپنے بہت سے احباب اور شاگردوں کے پاس ان مورخین کی کتابیں اس غرض سے بھیجیں کہ وہ کتاب کا مطالعہ کر کے اہم اقتباسات اور قابل اعتراض مقامات کی نشاندہی اور ان کا ترجمہ کر دیں اور مصنف سیرت کو ان سے پوری واقفیت ہو جائے۔

ان تصانیف کا جس قدر ترجمہ ہو کر سامنے آتا گیا اس سے یورپ کی غلط بیانی، بددیانتی اور تعصب بھی عیاں ہوتا گیا، ایک خط میں مولانا حمید الدین فراہی کو لکھتے ہیں کہ ''یورپین مورخوں پر روز بروز حیرت بڑھتی جاتی ہے، نولدیکی اور گولڈ زیہر (GOLDZIHER) کا ترجمہ دیکھ رہا ہوں، عجیب قیاس آفرینیاں نظر آتی ہیں۔(۴۵)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> یورپین مورخوں کی تصنیفات کشت زعفران نظر آتی ہیں، سینکڑوں ہوائی قلعے بناتے ہیں۔(۴۶)

مولانا شیروانی نے یورپ کی کسی کتاب پر اظہار تعجب کیا تو اس کے بعد میں لکھا کہ'' آپ کو ایک کتاب پر تعجب ہے، یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، مارگولیتھ سب سے بڑا عربی داں ہے، اس کی تصنیف (محمدؐ) کا ترجمہ ہو رہا ہے، ایک حرف بھی ساری کتاب میں صحیح نہیں،(۴۷) ان ہی کو ایک دوسرے خط میں لکھا کہ انگریزوں کی کتابوں سے

جس قدر اقتباسات ہو رہے ہیں ان سے کذب و افتراء کا عجیب منظر سامنے آتا جاتا ہے۔(۴۸)

سیرت نبویؐ سے متعلق مورخین یورپ کی تصانیف ان کے خیالات، قابل اعتراض مقامات تعصب، بددیانتی سے بڑی حد تک واقف ہونے کے بعد علامہ شبلی اس نتیجے پر پہونچے کہ مجموعی طور پر یورپ کے مورخین تعصب اور غلط بیانی سے بری نہیں ہو سکتے، مولوی ریاض حسن خاں خیال کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> یورپ کے خیالات کا بڑا حصہ سامنے آگیا سب تاروں کی ایک ہی صدا ہے، کچھ غلط فہمیاں، کچھ ناواقفیت، کچھ تعصب باقی ہے۔(۴۹)

مورخین یورپ کی غلط فہمیوں کے اسباب

علامہ شبلی کا خیال ہے کہ ابتداء یورپ اسلام کے متعلق لاعلم تھا لیکن جب اسے جاننے کی کوشش کی تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کے عجیب و غریب حیرت انگیز اور مبہم خیالات تھے، مثلاً مسلمان بت پرست ہیں، جنگ جو غارت گر اور وحشی ہیں عیسائیوں اور ان کے قبلہ بیت المقدس کے دشمن ہیں، فرانسیسی مصنف ہنری دی کاستری (HENRI DE CASTERY) لکھتا ہے:۔

> ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے، ماہوم یا ماہون یا مافومیڈ اور اپلین اور تیسرا ٹرگاماں، ان کا خیال تھا کہ محمدﷺ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوائے الوہیت پر قائم کی، اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمدﷺ لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا--- ایک دوسرا شاعر ریچر مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کو ان الفاظ میں آمادہ جنگ کرتا ہے" اٹھو ماہومیڈ اور ٹرگاماں کے بتوں کو اوندھا کر دو اور ان کو آگ میں ڈال دو اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کر دو۔(۵۰)

یورپ کے ان خیالات اور غلط فہمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ان کی یہ ابتدائی معلومات عامیانہ اور محض افسانوی قسم کی تھیں، یورپ میں یہ غلط

فہمیاں دراصل اس زمانہ میں پیدا ہوئیں، جب وہ مسلمانوں سے صلیبی لڑائیاں لڑ رہا تھا، حالانکہ موجودہ علم تاریخ کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔(۵۱) اس کے فوراً بعد ہی ان کا گزر اسلامی ممالک میں ہوا جہاں ان کو مسلمانوں کی علمی و عملی ترقیوں کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے کو ملے اور مسلمانوں کے خوان کرم سے زلہ رُبائی بھی کی، باوجود اس کے اپنی غلط فہمیوں کو یورپ نے اس قدر شہرت دی کہ ضرب المثل ہوگئیں اس کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

> اس زمانہ میں مسلمانوں کے مذہب، قومیت، معاشرت، تمدن کے متعلق یورپ میں جو غلط اور بے سروپا روایتیں پیدا ہوئیں، وہ رفتہ رفتہ اس قدر شہرت پکڑ گئیں کہ ضرب المثل کے طور پر عام و خاص کی زبانوں پر جاری ہوگئیں اور جب تصنیف و تالیف کا زمانہ شروع ہوا تو تاریخوں، حکایتوں، ناولوں بلکہ فلسفہ کی کتابوں میں بھی بکثرت ان کا استعمال ہونے لگا۔(۵۲)

ان غلط فہمیوں کی بنیاد ابتداءً مذہب کے ذریعہ رکھی گئی، قوموں میں جو خیالات و اثرات مذہبی اور قومی بنیاد پر دلوں میں سرایت کر جاتے ہیں، ان کا تعلق گوشت پوست اور نظام عصبی سے ہو جاتا ہے اور وہ نسل درنسل باقی رہتے تھے، ان کا زائل ہونا مشکل ہو جاتا ہے، یورپ میں جب مذہب کا زور ٹوٹا تو امید تھی کہ یہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی مگر ایسا نہ ہو سکا بلکہ اس نے دوسرا رخ اختیار کر لیا، علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

> یورپ میں مذہب کا اب زور ختم ہو گیا ہے اس لیے قیاس تھا کہ یہ خیالات اب مٹ جاتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدقسمتی سے یورپ میں مذہب کی جگہ پالٹکس نے لے لی ہے اس لیے یہ خیالات اب مذہباً نہیں بلکہ پالٹکس کی ضرورت سے قائم رکھے جاتے ہیں، اس قدر فرق آ گیا ہے کہ اب وہ اس رنگ سے ادا کیے جاتے ہیں کہ تعصب کا گمان نہ ہونے پائے۔(۵۳)

یورپ کی غلط کاریوں کے اسباب

علامہ شبلی نے یورپ کی غلط کاریوں کے متعدد اسباب بتائے ہیں اور اپنی تحریروں میں جا بہ جا اس کی وضاحت کی ہے جن کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۔ سب سے اہم سبب ان کا تعصب ہے اس کی ابتداء مسلمانوں کی فتح اندلس سے ہوئی، ترکوں کی فتوحات نے اس میں مزید اضافہ کیا، چنانچہ یورپ میں جب تصنیف و تالیف کی ابتداء ہوئی اور یورپ نے اپنے حدود سے باہر اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کتابیں لکھیں تو اس میں غالب حصہ انہیں تعصبات اور غلط بیانیوں کا تھا جو مدت سے یورپ کے ورد زبان تھا، ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:۔

> اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے یورپ میں مادیت، ملک گیری اور ملوکیت کی ایک زبردست لہر پیدا ہوئی جس نے ایک طرف یورپ میں نسل اور محدود قومیت کے تخیل کو بیدار کیا اور دوسری طرف اس جذبہ کے ماتحت ایشیا کی اسلامی سلطنتوں پر قبضہ کرنے کے لیے بانی اسلامﷺ اور نئی پرانی اسلامی حکومتوں کے متعلق وسیع پیمانے پر غلط فہمیاں پھیلائی جانے لگیں اس ملوکیت کی تبلیغ نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں، کبھی آزادی جمہور کا صور پھونکا گیا، کبھی شخصی آزادی اور مساوات و اخوت کے نغمے گائے گئے اور کبھی بے تعصبی اور عام رواداری کے خطبے سنائے گئے لیکن اسلام اور شاہان اسلام پر حملے ہر حالت میں جاری رہے۔(۵۴)

یورپ کے خیالات میں آہستہ آہستہ وسعت پیدا ہوئی اور مورخین مغرب غیر جانبداری کی طرف مائل ہوئے، مذہب کا زور ٹوٹا، یہاں تک کہ اس کا اثر بھی چنداں قوی نہ رہا، تاہم بقول علامہ شبلی نعمانی:۔

> جب کبھی پولیٹیکل ہوا چلتی ہے تو یہ دبی چنگاری اس قدر جلد بھڑک اٹھتی ہے کہ تمام یورپ میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔(۵۵)

مسلمانوں سے واقف ہونے کے ذرائع جب یورپ میں وسیع ہوئے اور اسلامی

ممالک کا بڑا حصہ ان کے قبضے میں آ گیا تو خود یورپ میں سینکڑوں عربی داں علماء پیدا ہوگئے، عربی زبان کی بے شمار کتابیں یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہونے لگیں، اورینٹل کانفرنس نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے اور مسلمانوں کے خیالات و عقائد سے واقف ہونے کے متعدد مواقع یورپ کو حاصل ہوئے مگر باوجود ان تمام باتوں کے یورپ کے طرز میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، علامہ شبلی رقمطراز ہیں:۔

> غلط معلومات کا بادل جو آج سے کئی سو برس پہلے یورپ کے افق پر چھایا تھا اب تک نہیں ہٹا، بہت سے بہت یہ ہوا کہ وہ کسی قدر ہلکا ہوگیا لیکن فضا میں اب بھی اس قدر تاریکی ہے کہ اِذا اَخرَجَ یدہ لَم یَکد یراھا (ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا)۔(۵۶)

اور یہ کہ:

> یورپ کے مورخین جب مسلمانوں کے متعلق کوئی کتاب یا رسالہ یا مضمون لکھتے ہیں تو ایسی بے سروپا باتیں لکھ جاتے ہیں جن کو دیکھ کر انسان دفعتاً متحیر ہو جاتا ہے۔(۵۷)

پروفیسر مارگولیتھ عربی زبان کا بڑا عالم ہے باوجود اس کے اسلام کا سخت دشمن(۵۸) سخت بددیانت اور غلط نتائج نکالنے والا ہے(۵۹) علامہ شبلی اس کے بارے میں مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> اس کی لائف آف محمدؐ دیکھنے کے قابل ہے عبدالمطلب، مطلب کے غلام تھے کعبہ آنحضرت ﷺ سے صرف سو برس پہلے کی عمارت ہے۔(۶۰)

اسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

> دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لیے پیش نہیں کرسکتی، اس کا اگرکوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوسکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے۔(۶۱)

دوسرے مستشرق اور یورپ کے فاضل مورخ سخاؤ (SOCKHAU) کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> اس کی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ وہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا۔(۶۲)

نولدیکی (NOWLEDEKE) کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> نولدیکی نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلو پیڈیا (جلد۱۶) میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جابہ جا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔(۶۳)

علامہ شبلی کی ان تحریروں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یورپ کی غلط کاری اور بددیانتی کی اصل وجہ ان کا اسلام سے تعصب تھا اور اسی تعصب نے یورپ کو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات سے دور رکھا اور خود یورپ طرح طرح کے توہمات میں مبتلا رہا۔

۲۔ یورپ کی غلط فہمی کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ خود مسلمانوں نے اپنے علمی خزانے کی حفاظت و اشاعت کا کوئی معقول انتظام و اہتمام نہیں کیا، ان کے اس سرمایہ علمی کے مفقود ہونے کی وجہ سے بھی بہت سی غلط فہمیاں عام ہوگئیں جن کے اثر سے مسلمان بھی محفوظ نہ رہے، علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

> مسلمانوں کا تاریخی سرمایہ بہت کچھ مفقود ہو چکا اور ہوتا جاتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے نقصانات کے سب سے بڑا نقصان یہ پہونچایا کہ خود مذہب اسلام کے متعلق دنیا کو عجیب عجیب غلطیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوگئیں، خود مسلمان بھی ان غلطیوں سے بچ نہیں سکتے وہ بھی مذہب کی وہی حقیقت سمجھتے ہیں جو معلومات کے مفقود ہونے سے کئی سو برس

سے قائم کر دی ہے۔(۶۴)

۳۔ یورپ کی غلط فہمیوں کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ خود مسلمانوں نے بھی اپنی تصانیف میں غلطیوں سے احتراز نہیں کیا اور بہت سی بے سروپا باتیں لکھ دیں، علامہ شبلی، مولوی سید نواب علی پروفیسر بڑودہ کالج کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

سیرت کے متعلق یورپ کی غلط کاریوں کا تعجب نہیں جبکہ خود اسلامی مورخین اور ارباب روایت نے سینکڑوں غلطیاں کی ہیں۔(۶۵) یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے ان کے ایک ایک حرف کے لیے سینکڑوں ورق الٹنے پڑتے ہیں یہ کمبخت لکھتے تو جھوٹ ہیں لیکن بے پتہ نہیں لکھتے یہاں ہمارے سیرت نگاروں نے خود بہت بے احتیاطیاں کیں۔(۶۶)

مثلاً مورخین یورپ کا تمام تر سرمایہ استناد سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں مثلاً مغازی واقدی سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق اور تاریخ طبری وغیرہ لیکن یہ کتابیں استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ نہیں اور ان میں بہت سی خامیاں راہ پا گئی ہیں، دوسرے یہ کہ سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں وہ ضعیف الروایۃ ہیں۔(۶۷)

علامہ شبلی کا خیال ہے کہ سیرت کے یقینی اور صحیح واقعات حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں جس سے مورخین یورپ بے خبر ہیں اور اگر" ایک آدھ کوئی ہے تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سینکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے۔(۶۸)

۴۔ اسلامی مورخین اور اہل یورپ کے اصول تنقیح شہادت میں بہت اختلاف ہے، اسلامی مورخین صداقت پر بہت زور دیتے ہیں مگر یورپ اس کی مطلق پروا نہیں کرتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب، اگر ایک جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرے جو قرائن موجودہ اور گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہو اور بیان میں تسلسل بھی ہو تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کر لی جائے گی۔(۶۹)

۵۔ یورپ کی غلط کاریوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بعض بادشاہوں کے ذاتی افعال

کو مذہب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔(۷۰) حالانکہ یہ انفرادی اور بادشاہوں کے ذاتی افعال ہیں جو یورپ کے حکمرانوں سے بھی سرزد ہوتے ہیں اس کے لیے مذہب کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۶۔ یورپ کی غلط بیانی کا ایک سبب یہ بھی ہے وہ قدیم زمانہ کا موازنہ دور جدید سے کرتا ہے، علامہ شبلی کے الفاظ میں "یورپ موجودہ طرز سلطنت سے ایشیائی حکومتوں کو ناپتا ہے،(۷۱) حالانکہ دونوں کے طرز حکومت اور آئین سلطنت میں بڑا فرق ہے۔

غرض یورپ کی غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کے اسباب متعدد ہیں اور اگر بعد کے چند مغربی مفکرین و مورخین نے ان کا اعتراف بھی کیا ہے مگر عام باتوں میں اس کا زور کم نہیں ہوا، علامہ رقمطراز ہیں:

> یورپ میں جو نامور محقق ہیں اکثر ان بے ہودہ روایتوں کو غلط تسلیم کرتے جاتے ہیں جو اسلامی واقعات کے متعلق وہاں پیدا ہو گئی تھیں چنانچہ گبن، کارلائل، گاڈ فری، ہیگنز، باسورتھ، رینان، سید یو وغیرہ نے عموماً ان واقعات سے صاف انکار کیا ہے لیکن تصنیفات اور عام روایتوں میں ان غلطیوں کا زور اب بھی کم نہیں ہوا۔(۷۲)

علامہ شبلی نے یورپ کی چند اہم کذب بیانیوں اور افتر پردازیوں کا رد کیا ہے، الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ اور اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر جیسے تاریخی، تحقیقی اور علمی مقالات مورخین یورپ کی علمی بے راہ روی اور غلط بیانی کے خلاف قلمبند کیے گئے ہیں۔ درحقیقت یورپ کی کذب بیانی اور افترا پردازیوں کی پردہ دری ان کا مقصد حیات تھی جس کے لیے بڑی طویل مدت حیات درکار تھی، رقمطراز ہیں:

> اگر دنیا کی عجیب و غریب غلط فہمیوں کی فہرست تیار کی جائے تو ان میں یورپ اور یورپین مورخوں کی غلط بیانیوں کو سب سے اونچے درجے پر رکھنا پڑے گا اور اگر کوئی شخص ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لے تو اس کے لیے یہ عمر کافی نہ ہوگی بلکہ اس کام کی تکمیل کے لیے اسے خدا سے ایک اور عمر کی دعا کرنی پڑے گی۔(۷۳)

یورپ کی علمی فیاضیوں کا اعتراف

اس سخت تنقید، طاقت ور رد و ابطال اور انتہائی سخت رائے کے باوجود علامہ شبلی یورپ کی بعض خوبیوں کے مداح بھی تھے، خاص طور پر مستشرقین نے مسلمانوں سے سخت تعصب کے باوجود اسلامی علوم و فنون کی اشاعت میں جس قدر دلچسپی لی اور مسلمانوں کی نایاب بلکہ نادر الوجود کتابوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شائع کیا ان پر مقدمے اور حواشی لکھے اور ترتیب و تحقیق کی مشقتیں برداشت کیں اس کی ابتداء سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں مستشرقین کے وجود سے ہوئی، اور انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ نے مسلمانوں کی سیرت و مغازی اور تاریخ و تہذیب سے متعلق بیشتر کتابیں ایک ایک کر کے شائع کر دیں انہوں نے سینکڑوں کتابوں کا یورپ کی زبانوں میں ترجمہ کیا، حکومت کے اشارے پر السنہ مشرقیہ کے مدارس قائم کیے۔ مشرقی کتب خانوں کی جا بہ جا بنیاد ڈالی، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں اور واقعتاً اسلامی علوم و فنون کے فروغ و اشاعت میں ایک مثال قائم کر دی، علامہ شبلی کے الفاظ میں "خاص اسلامی علوم و فنون کو اس قدر ترقی دی کہ پچھلے کارنامے بازیچہ اطفال سے زیادہ نہیں،"(۷۴) غرض یورپ کی علمی فیاضیوں اور ان کی خدمات کی ایک طویل تاریخ ہے جس کا اعتراف و ذکر علامہ شبلی نے بار بار کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> یورپ نے ہماری یادگاروں کو زندہ کرنے میں جو کام کیے ہیں وہ کیا کم ہیں انہی کی بدولت فن حرب کی وہ کتاب شائع ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس فن کے علمی اصول مرتب کیے تھے اور ان کا فن جنگ موجودہ فن جنگ کا مکمل خاکہ تھا، یورپ ہی کی بدولت زہراوی کی کتاب فن تشریح سے متعلق چھپ کر شائع ہوئی جس میں کئی سوالات تشریح کی تصویریں اور ان کے استعمال کے طریقے درج ہیں--- یورپ ہی کی بدولت تاریخ طبری، طبقات ابن سعد اور تاریخ الحکما وغیرہ کا پتہ لگا جو گویا دنیا سے ناپید ہو گئی تھیں۔(۷۵)

یورپ کی اس علمی فیاضی اور فراخدلی کے بھی متعدد اسباب تھے، اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ابتداء یورپ جب اسلام سے واقف ہوا تو اس کی معلومات محض سنی سنائی اور عامیانہ

قسم کی باتیں تھیں، اب وہ اسلام سے براہ راست واقف ہونا چاہتا تھا، اس میں بعض سیاسی اغراض و مقاصد بھی پنہاں تھے، یورپ کا جب اسلامی ممالک میں گزر ہوا تو وہاں مسلمانوں کی علمی و عملی ترقیوں کے سبب یورپ کو مسلمانوں کی علمی فضیلت و برتری کا احساس ہوا چنانچہ اس فراخ دلی میں یہ خیال بھی کارفرما نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے یہ علمی فضیلت کیونکر حاصل کی اس کو جاننے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے علوم و فنون کو سیکھنے اور حاصل کرنے کی کوشش کی، یورپ کی یہ فیاضیاں اسی پس منظر میں دیکھنے کے لائق ہیں، علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

> یورپ کی یہ فیاض دلی رشک کے قابل ہے کہ ایک طرف مذہبی اختلافات کی بنیاد پر مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا لیکن دوسری طرف اس نے بے تکلف مسلمانوں کے خوان کرم سے زلہ ربائی شروع کر دی۔(۷۶)

یورپ کی علمی فیاضی و فراخ دلی کے پس پشت جو بھی مقاصد رہے ہوں وہ اس بات کا ضرور مستحق تھا کہ اس کے کاموں کا اعتراف کیا جائے اور ان کی علم دوستی، معارف پروری اور فراخ دلی کی تعریف کی جائے، علامہ شبلی طبقات ابن سعد کی اشاعت پر لکھتے ہیں:۔

> ہم کو فیاض دلی سے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ یورپ کو آج کل ہمارے علوم و فنون کے ساتھ جو اعتناء ہے اور جس طرح وہ ہمارے قدیم خزانوں کے بیش بہا نوادر ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کر رہا ہے ہم خود نہیں کرتے بلکہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آج تک یورپ نے عربی کی کون کون سی نایاب کتابیں نہایت اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شائع کی ہیں۔(۷۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

> ہم یورپ کی علمی فیاضیوں کا شکریہ ادا کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لیکن یورپ اپنی فیاضیوں سے نہیں تھکتا۔(۷۸)

غرض یورپ اپنی علمی فیاضیوں اور اسلامی خدمات کے لیئے جس مدح و ستائش کا مستحق تھا، علامہ شبلی نے مسلمانوں کی طرف سے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ راقم کا خیال ہے کہ یورپ کی اس علم دوستی کا جس قدر اعتراف اور شکریہ علامہ شبلی نے ادا کیا ان کے معاصرین میں اتنا شاید ہی کسی نے کیا ہو ان کو خود احساس تھا کہ یورپ کی علمی فیاضیوں کا ذکر اس قدر بار بار کر چکا ہوں کہ مزید کچھ اور کہوں تو لوگ بول اٹھیں گے۔

ایں آں فسانہ ایست کہ صد بار گفتہ

لیکن اگر ہر نئے احسان کا نیا شکریہ واجب ہے تو یہ ذکر کرنا پڑے گا اور بار بار کرنا پڑے گا۔(۷۹)

علامہ شبلی کے اس اعتراف و شکر میں یہ اشارہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ خود مسلمان اپنے علمی خزانوں کی حفاظت و اشاعت کی طرف متوجہ ہوں مگر جب مسلمان اس طرف توجہ نہیں دیتے تو وہ مایوس ہو کر کہتے ہیں:

مولوی سید علی صاحب کے کتب خانہ میں عربی مطبوعات یورپ دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوگیا، علمی زمین نے اپنے خزانے اگل دیئے ہیں، کیا کہوں اپنے علماء کی بدقسمتی اور اپنی مفلسی پر افسوس آتا ہے۔(۸۰)

علامہ شبلی نے متعدد مقامات پر یورپ اور عالم اسلام کا موازنہ کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ جو کام یورپ کر رہا ہے وہ دراصل ہمارے کرنے کا کام تھا، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مسلمان دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہیں اور اپنے علوم و فنون کی قدردانی کا ان کو دعوی بھی ہے مگر یورپ نے اسلام سے متعلق جو کچھ کیا ہے مسلمانوں نے آج تک اس کا ہزاروں حصہ بھی نہیں کیا،(۸۱) دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

اسلام آج دنیا کے تمام حصوں میں پھیلا ہوا ہے کروڑوں مسلمان موجود ہیں، بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہیں، عربی علوم و فنون اسی زور و شور کے ساتھ پڑھے اور پڑھائے جا رہے ہیں، اس بناء پر دنیا کو ہم سے اس کام کی توقع تھی لیکن ابھی ہم کو اور ضروری کاموں سے فرصت

کہاں ہے۔(۸۲)

پھر اس عدیم الفرصتی، بے توجہی اور مسلمانوں کے بے مقصد کاموں پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> حمدللہ کے بعض ضروری مقامات اب تک نا حل شدہ ہیں، شرح ملا کی ایک ضمیر کا مرجع اب تک متعین نہیں ہوا، میر زاہد کی معبد بت زمانی اور مکانی کا اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا اور خیر یہ سب کام تو اٹھا بھی رکھے جا سکتے ہیں لیکن شیعوں کی تکفیر تو بہرحال مقدم ہے اور گو وہابیوں کا استیصال اس قدر ضروری نہ ہو لیکن آخر اس کی اہمیت سے تو انکار نہیں ہوسکتا۔(۸۳)

علامہ شبلی کا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں کو جو کام کرنا چاہیے اور جس پر قومی ترقی کا انحصار ہے وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور دوسرے بیکار اور لایعنی کاموں میں لگے ہوئے ہیں، ایک جگہ یورپ کی علمی ترقیوں اور اس کے اسباب کا مسلمانوں سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ایک طرف تو ہمارے مولوی مسلمانوں کو کافر بنانے میں مصروف ہیں اور اس کام میں وہ کوششیں کرتے ہیں جو صحابہؓ کافروں کو مسلمان بنانے میں کرتے تھے دوسری طرف یورپ کی علمی فیاضیوں کا بادل عالم پر آب حیات برسا رہا ہے، دنیا کے تمام قوموں کے مردہ علوم و فنون تاریخ اور یادگاریں زمین کے طبقے الٹ الٹ کر نکالے جا رہے ہیں اور دنیا کی نمائش گاہ ان گم شدہ جواہرات سے اس طرح سجا دی گئی ہے کہ گویا پچھلا زمانہ اسی سروسامان سے دوبارہ سامنے آ گیا ہے۔(۸۴)

یورپ کی بے اعتدالیاں

علامہ شبلی نے فن تاریخ کے ساتھ یورپ کی دلچسپی اس فن میں ان کی دقیقہ سنجی اور ایجاد و اختراع کی جا بہ جا تعریف کی ہے، ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ علامہ شبلی یورپ کی جس چیز کے سب سے زیادہ قائل تھے وہ فلسفہ تاریخ ہے،(۸۵) خود علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

> یورپ میں آج کل فن تاریخ کو اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ کبھی نہ ہوئی ہوگی تاریخی واقعات کے ساتھ اس قدر اعتناء کیا جاتا ہے کہ ایک ایک جزئی واقعہ کی ہر قسم کی جزئی خصوصیات کا استقراء کیا جاتا ہے۔(۸۶)

تاریخی واقعات کے اسباب و علل پر غور و فکر کرنے اور اس سے نتائج مستنبط کرنے کے طریقے کی ابتداء یورپ نے کی اور فن تاریخ میں جس ایجاد و اختراع پر انہیں ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے(۸۷) اور یہی وہ چیز ہے جو اسلامی مورخین کے یہاں مفقود ہے، انہوں نے المامون کے دیباچہ میں اسی بنیاد پر یہ لکھا ہے کہ:۔

> موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایہ پر پہونچ گیا ہے، اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اس کے اصول و فروع پر جو فلسفیانہ اضافے کیے ہیں اس کے اعتبار سے ہماری قدیم تصانیف ہمارے مقصد کے لیے بالکل کافی نہیں۔(۸۸)

بلاشبہ اسباب و علل کی تلاش اور اس سے نتائج مستنبط کرنے کا طریقہ فن تاریخ میں یورپ کا ایک اضافہ ہے، علامہ شبلی نے اپنی تحریروں میں یورپ کی اس ایجاد و اختراع کی تعریف کی ہے اور خود بھی اسے مورخ کے لیے ضروری قرار دیا ہے مگر اس سلسلہ میں یورپ نے جو بے اعتدالیاں کی ہیں علامہ شبلی نے اس پر واشگاف انداز میں تنقید بھی کی ہے ان کا خیال ہے کہ مورخین یورپ اپنی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کے سبب اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتے ہیں اور تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں۔(۸۹) اسی طرح وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیے ایسی ترتیب اور انداز سے اسے لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس و اجتہاد کو اصل واقعہ سے الگ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔(۹۰)

یورپ کے مورخین علت و معلول کی تعیین میں بھی بے اعتدالی سے کام لیتے ہیں اور دو ہم زمان واقعات کو علت و معلول فرض کر لیتے ہیں مثلاً علامہ شبلی کے الفاظ میں "جب تاریخ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد ایرانیوں کا لٹریچر برباد ہو گیا تو وہ قطعی طور سے یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ اسلام ہی کے طرز عمل کا نتیجہ تھا--- یا جب یہ

دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں پارسی قوم کے معابد کا پیشوایان مذہبی کا تصنیفات کا، تعلیم و تلقین کا پتہ نہیں چلتا تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے سلاطین نے تعصب کی وجہ سے یا تو سرے سے ان کو ملک میں گھسنے نہیں دیا یا انہیں اسی حالت میں رکھا کہ ان کی کوئی امتیازی حیثیت قائم نہ رہی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہے تاریخی کم مائیگی کا قصور ہے۔(۹۱)

تاریخ نگاری میں صداقت وہ بنیاد ہے جس پر فن تاریخ کی سر بہ فلک عمارت کھڑی ہے اسلامی مورخین نے اس پر بہت زور دیا ہے یہاں تک کہ وہ سچائی کی تلاش میں اپنی قومیت مذہب اور تاریخ کو بھی قربان کر دیتے ہیں مگر یورپ نے اس میں بھی بڑی بے اعتدالیاں کی ہیں، مثلاً علامہ شبلی کے الفاظ میں یورپ کو " یہ پروا نہیں ہوتی کہ راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ وہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لیتے ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرائن و قیاس کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔(۹۲)

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ شبلی مشرق و مغرب کے قدیم و جدید اہم نظریہ ہائے تاریخ سے بہ خوبی واقف تھے وہ جہاں اسلامی مورخین کے تاریخی اصول و آداب رجحانات اور افکار و خیالات پر وسیع نظر رکھتے تھے وہاں ان سے خاطر خواہ طور پر استفادہ اور مغربی مورخین کے عمدہ اصولوں سے بھی اخذ و استنباط کیا تھا، انہوں نے اگر اسلامی مورخوں کے نقائص پر تنقید کی ہے تو یورپ کی بے اعتدالیوں سے بھی آگاہ کیا ہے، اس فن میں ان کی کاملیت و جامعیت اور فہم و بصیرت کی وجہ سے یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ خود ایک نظریہ تاریخ رکھتے تھے، ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے الفاظ میں:۔

> وہ صرف مورخ ہی نہ تھے بلکہ ایک خاص فلسفہ تاریخ کے واضع و نقاد بھی تھے، انہوں نے مغرب اور مشرق کے تاریخی سرمائے پر جو تنقید کی ہے وہ بلاشائبہ مبالغہ اصول تاریخ کے لیے ایک فاضلانہ اور عالمانہ دستور اساسی کا حکم رکھتی ہے۔(۹۳)

حواشی

۱۔ دیباچہ مقالات شبلی جلد ۵ ص ۱، مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء
۲۔ علامہ شبلی نعمانی۔ الکلام مقدمہ ص ۳-۴ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء
۳۔ ملاحظہ راقم کا مقالہ علامہ شبلی کا نظریہ تاریخ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ نومبر ۱۹۹۸ء
۴۔ افادات مہدی ص ۱۹۳۔ مرتبہ بیگم مہدیؔ افادی۔ سرسید بکڈپو علی گڑھ ۱۹۸۵ء
۵۔ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۵۶۔ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء
۶۔ ایضاً ج ۲ ص ۳۳۵ مطبوعہ دارالمصنفین ۱۹۷۱ء
۷۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ حیات شبلی ص ۱۳۶۔ مطبوعہ دارالمصنفین ۱۹۸۳ء
۸۔ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی، مقالات شروانی ص ۱۶۹۔ علی گڑھ ۱۹۴۶ء
۹۔ حیات شبلی ص ۱۳۶
۱۰۔ ایضاً ص ۹۲
۱۱۔ ایضاً ص ۲۳۳
۱۲۔ حیات شبلی ایضاً
۱۳۔ علامہ شبلی نعمانی۔ الفاروق تمہید ص ۲ مطبوعہ دارالمصنفین ۱۹۹۲ء
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ ایضاً ص ۳
۱۔ علامہ شبلی۔ سیرۃ النبی ج ۱ مقدمہ ص ۴، مطبوعہ دارالمصنفین طبع جدید ۱۹۹۶ء
۱۷۔ الفاروق ص ۳
۱۸۔ علامہ شبلی۔ المامون ص ۶۔ مطبوعہ دارالمصنفین ۱۹۹۲ء
۱۹۔ الفاروق ص ۴
۲۰۔ ایضاً ص ۷-۸
۲۱۔ ایضاً ص ۸-۹
۲۲۔ ایضاً و مقالات شبلی جلد ۴ ص ۱۴ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی مطبوعہ دارالمصنفین 1951ء
۲۳۔ الفاروق ص ۸
۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ الفاروق ص ۸-۹

۲۶۔ مقالات شبلی ج ۴ ص ۲۲

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ الفاروق ص ۹-۱۰

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ نکہت شاہ جہاں پوری۔ ابن خلدون کی عظمت اور علمائے یورپ ص ۳۳-۵۵ علی بھائی اشرف علی اینڈ کمپنی ۱۹۴۴ء

۳۱۔ الفاروق ص ۹

۳۲۔ وحید الدین سلیم۔ مضامین سلیم حصہ اول ص ۱۶۰۔ انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۶۱ء

۳۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، علم تاریخ میں مسلمانوں کا حصہ مشمولہ ارمغان مالک ج ۲ ص ۳۱۰۔ مطبوعہ مجلس ارمغان مالک دہلی ۱۹۷۱ء

۳۴۔ الفاروق ص ۱۱

۳۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالات شبلی ج ۴ ص ۱۹-۲۸

۳۶۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۷، طبع جدید

۳۷۔ علامہ شبلی۔ سفر نامہ روم و مصر و شام ص ۴۹۔ دارالمصنفین ۱۹۴۰ء

۳۸۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ شبلی بحیثیت مورخ ماہنامہ معارف مارچ ۱۹۸۶ء ص ۱۹۲

۳۹۔ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۲۰۰

۴۰۔ سیرۃ النبی ج ۱ دیباچہ میں

۴۱۔ ایضاً ج ۱ ص ۶۲ طبع جدید

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۲۲۵۔ اسی مضمون کا خط مولانا شروانی کے نام (ج ۱ ص ۲۰۱، مکتوب نمبر ۲۰۲۔ اور محمد ریاض حسن خاں خیال ، ج ۱ ص ۹۱ کے نام بھی ہیں۔

۴۵۔ مکاتیب شبلی ج ۲ ص ۳۸

۴۶۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۹۹

۴۷۔ مکاتیب شبلی ص ۲۰۲ مکتوب نمبر ۱۰۴

۴۸۔ ایضاً ص ۲۰۰ مکتوب نمبر ۱۰۲

۴۹۔ ایضاً ج ۲ ص ۱۹۲ مکتوب نمبر ۲۱

۵۰۔ ہنری دی کاستری عربی ترجمہ مطبوعہ مصر ص ۸-۱۰، بحوالہ سیرۃ النبی ج ۱ دیباچہ ص ۵۷

۵۱۔ مقالات شبلی ج ۶ ص ۱۱۱ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔ دارالمصنفین ۱۹۵۱ء۔

۵۲۔ ایضاً ص ۱۱۲

۵۳۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۲۲

۵۴۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، شبلی کا نظریہ تاریخ ماہنامہ معارف ج ۴۱ شمارہ ۴ ص ۲۹۰

۵۵۔ مقالات شبلی ج ۱ ص ۱۸۵ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی مطبوعہ دارالمصنفین ۱۹۵۴ء

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ ایضاً ص ۱۲۱

۵۸۔ مکاتیب شبلی ج ۲ ص ۱۹۰

۵۹۔ ایضاً ج ۱ ص ۲۹۱

۶۰۔ ایضاً ص ۲۰۱

۶۱۔ سیرۃ النبی ج ۱ دیباچہ ص ۶۲

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ مقالات شبلی ج ۵ ص ۵۲

۶۵۔ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۳۱۴

۶۶۔ ایضاً ص ۳۴۲

۶۷۔ سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۶۳

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ ایضاً

۷۰۔ المامون ص ۱۰۳

۷۱۔ ایضاً ص ۵۳

۷۲۔ مقالات شبلی ج٦ ص ۱۱۴

۷۳۔ رسائل شبلی بحوالہ ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقاء ص ۱۸۴، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۹۴ء

۷۴۔ مقالات شبلی ج۸ ص ۱۴۵۔ مرتبہ مولانا سیّد سلیمان ندوی مطبوعہ دارالمصنفین ۱۹۷۲ء

۷۵۔ ایضاً ج۴ ص ٦۷

۷٦۔ ایضاً ج۵ ص ۴۹-۵۰

۷۷۔ ایضاً ج۴ ص۱

۷۸۔ ایضاً ص ۲۹

۷۹۔ ایضاً ص ۱۹

۸۰۔ مکاتیب شبلی ج۱ ص ۱۳۲

۸۱۔ مقالات شبلی ج۴ ص ۱۹

۸۲۔ ایضاً ص ٦۷

۸۳۔ ایضاً

۸۴۔ ایضاً ص ۵۴

۸۵۔ شبلی کا نظریہ تاریخ ماہنامہ معارف ج۴۱ ش ۴ ص ۲۸٦

۸٦۔ مقالات شبلی ج۴ ص ۲۲-۲۳

۸۷۔ المامون ص ۱۱

۸۸۔ ایضاً ص ۱۰

۸۹۔ سیرۃ النبی ج۱ ص ۳۸، طبع جدید

۹۰۔ الفاروق حصہ اوّل ص ۱۹

۹۱۔ مقالات شبلی ج۵ ص ۹۲-۹۳

۹۲۔ سیرۃ النبی ج۱ دیباچہ ص ۲۴

۹۳۔ سرسید اور ان کے نامور رفقاء ص ۱۷۲